(۳۹)

(فرمودہ ۲۸۔ جولائی ۱۹۴۹ء بمقام یارک ہاؤس۔ کوئٹہ)

عید ایک ایسی چیز ہے جس کو ساری ہی قومیں مناتی ہیں کوئی اس کا نام تہوار رکھ لیتا ہے' کوئی عید کہہ دیتا ہے اور کوئی کرسمس (Christmas) کے نام سے اسے یاد کرلیتا ہے۔ بہرحال دنیا کی کوئی قوم ایسی نہیں جس میں عید نہیں پائی جاتی ہر قوم کسی نہ کسی طرح عید مناتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عید کا جذبہ فطرت انسانی میں رکھا گیا ہے اگر یہ جذبہ فطرت میں نہ رکھا ہوتا تو ہر جگہ اور ہر قوم میں عید کیوں منائی جاتی۔ سینکڑوں اور ہزاروں سال تک بنی نوع انسان آپس میں جُدا جُدا رہے۔ امریکہ والے دنیا کے دوسرے لوگوں سے اس وقت تک نہیں مل سکے جب تک کہ کولمبس نے اسے دریافت نہ کرلیا۔ آسٹریلیا والے بھی ایک وقت تک دوسرے لوگوں سے نہ مل سکے مگر باوجود اس کے تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پرانے باشندوں میں بھی عید کی رسم پائی جاتی تھی۔ اسی طرح افریقہ کے پرانے باشندوں میں بھی بعض تہوار پائے جاتے ہیں غرض عید کے موجبات خواہ مختلف ہوں اس کا وجود ہر قوم اور ہر ملک میں پایا جاتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عید کا تعلق فطرت کے ساتھ ہے۔ اسلام نے بھی سال میں دو عیدیں رکھی ہیں۔ جن میں سے ایک کا نام عید الفطر ہے اور دوسری کا نام عید الاضحیہ۔ ان کے علاوہ رسول کریم ﷺ نے جمعہ کے دن کو بھی مسلمانوں کے لئے عید کا دن قرار دیا ہے۔[1] گویا اسلام دوسری قوموں اور مذاہب سے عید کے لحاظ سے بھی بڑھ کر ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ عید کہتے کس کو ہیں؟ آخر کوئی وجہ بھی ہے جس سے ہر قوم اور ہر مذہب میں عید رکھی گئی ہے۔ عید اس لئے رکھی گئی ہے کہ انسان اگر ہمیشہ رنج کی طرف ہی دیکھتا رہے تو اس کے قویٰ مضمحل ہو جائیں۔ کبھی کبھی اس کی نظر اپنے اعلیٰ مقاصد اور کامیابیوں کی طرف بھی جانی چاہئے اگر وہ اپنی کامیابیوں کو یاد کرتا رہے اور اپنے مقاصد کو سامنے رکھے تو اس کا حوصلہ بڑھتا چلا جائے گا اور اس طرح قوم مرنے نہیں پائے گی۔ اگر عید نہ منائی جائے یا عید منائی تو جائے لیکن اس کے موجبات نہ ہوں صرف روایت ہی روایت ہو تو قوم مُردہ ہو جاتی

ہے' اس کی روح مرجاتی ہے اور تصویر ہی تصویر باقی رہ جاتی ہے۔ مثلاً خاکروب ہیں ان میں بھی ایسی روایات پائی جاتی ہیں کہ ان کے باپ دادا بادشاہ تھے۔ سانسی قوم میں بھی ایسی روایات پائی جاتی ہیں اور اسی وجہ سے وہ جوتی نہیں پہنتے ان میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ جب انہیں دوبارہ بادشاہت ملے گی تب وہ جوتی پہنیں گے۔ بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ ان قوموں میں کسی زمانہ میں بادشاہت پائی جاتی تھی۔ ہندوستان میں آرین قوم کے آنے سے پہلے Dravadian قوم بستی تھی اور ممکن ہے سانسی اسی قوم سے تعلق رکھتے ہوں۔ لیکن انہوں نے صرف روایت ہی روایت یاد رکھی عملی طور پر کچھ نہ کیا اس لئے یہ چیز صرف ایک نقش بن کر رہ گئی۔ آخر بادشاہت آسمان سے نہیں آیا کرتی بلکہ عمل کے نتیجہ میں ملا کرتی ہے مگر ان میں ہمیں کوئی عمل نظر نہیں آتا اور نہ ہی انہوں نے بادشاہت کو دوبارہ حاصل کرنے کے لئے کوئی جدوجہد کی ہے جس کی وجہ سے یہ قوم مُردہ ہے زندہ نہیں۔ پس کامیابیوں کو یاد رکھنا بے شک مفید ہے بشرطیکہ موجبات اور محرکات بھی پائے جاتے ہوں۔ لیکن اگر موجبات اور محرکات نہ پائے جائیں اور ان کے نظر آنے پر خون میں گرمی پیدا نہ ہو اور مُردہ رگوں میں زندگی کی ایک لہر نہ دوڑ جائے تو سمجھ لو کہ وہ قوم مُردہ ہے زندہ نہیں وہ محض ایک تصویر ہے اس میں حقیقت نہیں پائی جاتی۔

ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ ہماری عیدوں کے پیچھے حقیقی خوشی کی بنیاد پائی جاتی ہے یا نہیں۔ اگر ہماری عید کے پیچھے حقیقی خوشی کی بنیاد پائی جاتی ہے تو وہ ہمارے لئے موجب برکات ہے اور اگر اس کے پیچھے حقیقی خوشی کی بنیاد نہیں پائی جاتی تو پھر ہر عید جو آئے گی ہمیں پہلے سال سے بھی زیادہ مُردہ بنا دے گی کیونکہ جو کام نقل کے طور پر کیا جاتا ہے وہ کرنے والے کے دل پر زنگ لگا دیتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص اپنے کسی عزیز کو یا دوست کو دیکھ کر بناوٹی طور پر رونے لگ جائے تو وہ ایک دفعہ تو بناوٹی طور پر رولے گا لیکن دوسری دفعہ باوجود اس کے کہ وہ بناوٹی طور پر رو رہا ہو گا اس کی آنکھوں سے آنسو بھی بہنے لگ جائیں گے لیکن ایکٹر اور ایکٹریسیں جو روتی ہیں تو ان کے اندر اس سے غم پیدا نہیں ہوتا۔ ان کا رونا بھی مصنوعی ہوتا ہے اور اس کا رونا بھی مصنوعی ہوتا ہے لیکن ان دونوں میں یہ فرق ہوتا ہے کہ ایکٹروں اور ایکٹرسوں کو رونے کی عادت پڑ گئی ہے اور اسے عادت نہیں اس لئے بعض اوقات اگر بناوٹ کے طور پر بھی وہ غم کی حالت کو اپنے اوپر وارد کرتا ہے تو سچ مچ رنجیدہ ہو جاتا ہے۔ پس اگر عیدیں آئیں

اور ان کے موجبات اور محرکات ہمارے اندر گرمی پیدا نہ کریں' ہمارے اندر زندگی کی ایک لہر نہ دوڑ جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر عید ہمیں پہلے سے بھی زیادہ مُردہ بنا کر چلی جائے گی۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ عید تین وجوہات کی بناء پر منائی جاتی ہے۔ اول انسان کو اس کا محبوب یعنی خدا مل جائے [2] جب اسے خدا مل جائے گا تو اس کی عید حقیقی معنوں میں عید ہوگی لیکن اگر اسے خدا نہیں ملتا تو پھر عید کیسی۔ درحقیقت اگر اسلام کے شروع زمانہ میں عید تھی تو صرف مسلمانوں کی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عیسائیت بھی خدا تعالیٰ کی قائل تھی' ہندو بھی خدا تعالیٰ کے قائل تھے مگر کوئی ایسا گروہ نہیں پایا جاتا جو یہ کہتا ہو کہ ہمیں خدا مل گیا ہے۔ اگر کوئی ایسی جماعت تھی جو اس بات کی دعویدار تھی کہ ہمیں خدا تعالیٰ مل گیا ہے تو وہ رسول کریم ﷺ اور آپؐ کے صحابہؓ تھے۔ پس جس شخص کو اس کا محبوب مل جائے اس کی عید بن جاتی ہے۔ غالب کہتا ہے اصل خوشی اس شخص کی ہے جس کے بازو پر اس کے محبوب نے سر رکھ دیا ہو۔ [3] پس اصل خوشی اسی شخص کی ہے جس نے خدا تعالیٰ کو دیکھا ہو اور اس سے باتیں کی ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عادت تھی کہ آپ اپنی نوٹ بک میں مختلف نوٹ لکھ دیتے تھے اور بعد میں جب موقع ملتا انہیں مضمون کی صورت میں بدل دیتے۔ جب میں نے ہوش سنبھالا میں ایسے نوٹوں کی تلاش میں رہتا جو کسی کتاب یا اخبار میں چھپے نہ ہوں اور اگر کوئی غیر مطبوعہ نوٹ مل جاتا تو اسے **تشحیذ الاذہان** [4] میں شائع کر دیتا۔ ایک دن میں آپؑ کی نوٹ بک سے کوئی غیر مطبوعہ نوٹ تلاش کر رہا تھا کہ میں نے ایک جگہ پر لکھا ہوا پایا کہ دنیا مجھے ڈراتی ہے' دشمن مجھے دھمکیاں دیتا ہے' وہ مجھے خائف کرنا چاہتا ہے لیکن مجھے حیرت ہے کہ وہ کس طرح یہ سمجھتا ہے کہ اپنے منصوبوں اور خوف دلانے میں وہ کامیاب ہو جائے گا آخر کسی میں ڈرنے کا مادہ ہو تو وہ ڈرتا ہے لیکن میں تو جب تکیہ پر سر رکھتا ہوں خدا تعالیٰ میرے پاس آ جاتا ہے اور کہتا ہے میں تیرے ساتھ ہوں۔ اگر خدا تعالیٰ خود آ کر مجھے کہتا ہے کہ میں تیرے ساتھ ہوں تو کیا مخالفوں سے میں ڈر جاؤں گا۔ [5] پس جس کے ساتھ خدا تعالیٰ ہوتا ہے کسی اور شخص میں یہ طاقت ہی نہیں ہوتی کہ اسے نقصان پہنچا سکے۔ رسول کریم ﷺ کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ رسول کریم ﷺ حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر غار ثور میں جا چھپے۔ دشمن کھوجیوں کو ہمراہ لئے آپؐ کی تلاش میں اس غار پر جا پہنچا۔ غار ثور جیسا کہ عام مسلمانوں کا خیال ہے کوئی چھوٹی سی غار نہیں بلکہ ڈیڑھ گز لمبی اور اتنی ہی چوڑی جگہ ہے۔ اس میں

چوبیس پچیس آدمی بیٹھ سکتے ہیں۔ اتنی بڑی جگہ میں بھلا جھانکنا کونسا مشکل تھا۔ رسول کریم ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ اس غار کے ایک طرف بیٹھے ہوئے تھے۔ غار کے منہ پر آکر کھوجیوں نے کہا کہ اگر محمد (ﷺ) زمین پر موجود ہے تو پھر اسی غار میں ہے۔ حضرت ابوبکرؓ اُس وقت گھبرا گئے اور آپ نے خیال کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو دشمن آپ کو دیکھ لے اور دکھ پہنچائے اور آپ کا رنگ فق ہو گیا۔ جب رسول کریم ﷺ نے یہ کیفیت دیکھی تو آپؐ نے فرمایا۔ **لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا** ابوبکرؓ! تم گھبراتے کیوں ہو خدا تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔[۶] ایسے موقع پر آپ کا یہ یقین اور وثوق اس بات کا ثبوت تھا کہ خدا تعالیٰ آپ کے ساتھ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر ۱۹۰۲ء میں مخالفین کی طرف سے ایک کیس چلایا گیا[۷] اور جس مجسٹریٹ کے سامنے یہ کیس پیش تھا وہ آریہ تھا۔ اسے لاہور سے بلا کر آریہ لیڈروں نے قسم دلائی کہ اس مقدمہ میں مرزا صاحب سے پنڈت لیکھرام کا بدلہ ضرور لینا ہے اور اس نے اپنے لیڈروں کے سامنے ایسا کرنے کا وعدہ کر لیا۔ خواجہ کمال الدین صاحب[۸] کو رپورٹ پہنچی کہ اس اس طرح مجسٹریٹ کو لاہور بلا کر قسم کھلائی گئی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مقدمہ کے سلسلہ میں گورداسپور تشریف رکھتے تھے۔ خواجہ کمال الدین صاحب نے آپ سے کہا کہ کسی نہ کسی طرح اس مقدمہ میں صلح کر لی جائے کیونکہ یہ پکی بات ہے کہ مجسٹریٹ کو لاہور بلا کر اس سے یہ وعدہ لیا گیا ہے کہ وہ ضرور سزا دے اور اس نے سزا دینے کا وعدہ کر لیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لیٹے ہوئے تھے۔ خواجہ کمال الدین صاحب کی یہ عادت تھی کہ وہ بات لمبی کرتے تھے۔ انہوں نے کہا حضور مجسٹریٹ ضرور قید کر دے گا اور سزا دے دے گا بہتر ہے کہ فریق ثانی سے صلح کر لی جائے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کہنیوں پر سہارا لے کر بیٹھ گئے اور فرمایا۔ خواجہ صاحب! خدا تعالیٰ کے شیر پر ہاتھ ڈالنا کوئی آسان بات ہے۔ میں خدا تعالیٰ کا شیر ہوں وہ مجھ پر ہاتھ ڈال کر تو دیکھے[۹] چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ دو مجسٹریٹوں میں سے جو اس مقدمہ کا فیصلہ کرنے کے لئے مقرر تھے ایک کا لڑکا پاگل ہو گیا۔ اس کی بیوی نے اسے لکھا (وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا تعالیٰ کا مامور تو نہیں مانتی تھی) کہ تم نے ایک مسلمان فقیر کی ہتک کی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ایک لڑکا پاگل ہو گیا ہے اب دوسرے کے لئے ہوشیار ہو جاؤ۔ وہ تعلیم یافتہ تھا اور ایسی باتوں پر یقین نہیں رکھتا تھا اس نے اس طرف کوئی توجہ نہ کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا دوسرا لڑکا دریا میں ڈوب کر مر گیا۔ وہ

دریائے راوی پر گیا وہاں نہا رہا تھا کہ مگرمچھ نے اس کی ٹانگ پکڑ لی [۱۰] اس طرح وہ بھی ختم ہو گیا۔ وہ مجسٹریٹ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس قدر تنگ کیا کرتا تھا کہ مقدمہ کے دوران میں سارا وقت آپ کو کھڑا رکھتا اگر پانی کی ضرورت محسوس ہوتی تو پینے کی اجازت نہ دیتا۔ [۱۱] ایک دفعہ خواجہ صاحب نے پانی پینے کی اجازت بھی مانگی مگر اس نے اجازت نہ دی۔ بعد میں اس کی یہ حالت ہوئی کہ اس نے خود مجھ سے دعا کیلئے درخواست کی میری عمر چھوٹی تھی کوئی بیس بائیس سال کی ہوگی میں کہیں جانے کے لئے اسٹیشن پر کھڑا تھا کہ وہ میرے پاس آیا اور ایک گھنٹہ میرے پاس کھڑا رہا اور اس نے درخواست کی کہ میرے لئے دعا کریں کہ کسی طرح یہ عذاب مجھ سے دور ہو جائے۔ دوسرے مجسٹریٹ نے بظاہر آپ کو مقدمہ میں کوئی تکلیف نہیں دی تھی لیکن آخر میں آپ کو جرمانہ کی سزا دے دی۔ [۱۲] وہ بھی ذلیل و خوار ہوا اور ملازمت سے الگ کر دیا گیا۔ [۱۳]

یہ چیزیں بتاتی ہیں کہ جو خدا تعالیٰ کا ہو جاتا ہے اگر دشمن اس پر کوئی مصیبت لانے کی کوشش بھی کرتا ہے تو وہ عارضی ہوتی ہے۔ غرض ایک عید اس شخص کی ہوتی ہے جسے اس کا محبوب یعنی خدا تعالیٰ مل جائے اور یہ وہ حقیقی عید تھی جو صحابہؓ کو حاصل تھی۔ اسی طرح یہ عید خلفائے راشدین کے زمانہ میں اور اس کے بعد بھی ایک عرصہ تک چلی گئی لیکن پھر ایک ایسا زمانہ آیا کہ خدا تعالیٰ کا ملنا تو الگ رہا مسلمانوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ خدا تعالیٰ مل ہی نہیں سکتا اور وہ کسی سے کلام نہیں کرتا حالانکہ خدا تعالیٰ اب بھی اپنے بندوں سے کلام کرتا ہے اور ان کی ہر کام میں مدد اور نصرت کرتا ہے۔ مجھے اپنی ذات کا تجربہ ہے مجھے ایک دفعہ کوئی تکلیف پہنچی۔ اس وقت میں نے اپنی دعا میں زور پیدا کرنے کے لئے یہ ارادہ کیا کہ جب تک میری وہ تکلیف دور نہ ہوگی میں زمین پر سویا کروں گا۔ ہمارے صوفیا میں یہ چیز پائی جاتی ہے۔ اسی طرح عیسائیوں میں بھی یہ چیز پائی جاتی تھی کہ کس طرح اپنے آپ کو تکلیف میں ڈال کر خدا کے رحم کو کھینچا جائے۔ بہرحال میں نے ارادہ کیا کہ جب تک میری وہ تکلیف دور نہ ہوگی میں زمین پر سویا کروں گا۔ جب پہلے دن میں زمین پر سویا تو میری آنکھ ابھی لگی ہی تھی کہ خدا تعالیٰ کی ایک صفت انسان کی شکل میں متشکل ہو کر میرے سامنے آگئی۔ اس کے ہاتھ میں تازہ ملائم اور نرم نرم سبز چھڑی تھی اور جس طرح کوئی بناوٹی غصہ سے چہرہ کی شکل بناتا ہے ویسی ہی شکل بنا کر اس نے چھڑی اٹھائی اور مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا محمود! چارپائی پر سوتا ہے یا نہیں۔ مجھے یاد

نہیں کہ وہ چھری مجھے لگی یا نہیں لیکن میں نے اسی وقت چارپائی پر کود کر جانے کی کوشش کی اور جب میری آنکھ کھلی میں چارپائی پر تھا۔ غرض اب بھی خدا تعالیٰ اپنے نیک بندوں سے اتنی محبت کرتا ہے کہ اسے اس بات سے بھی تکلیف ہوتی ہے کہ کیوں اس کے بندے نے اپنے آپ کو تکلیف میں ڈالا اور کیوں اس نے یہ خیال کرلیا کہ جب تک وہ اپنے آپ کو تکلیف میں نہیں ڈالے گا میں اس کی بات نہیں مانوں گا۔ بہرحال اس واقعہ کے بعد میری طبیعت پر جو بوجھ تھا وہ ختم ہو گیا اور جو تکلیف تھی وہ بھی کچھ وقت کے بعد دور ہو گئی۔ لیکن جب تک وہ تکلیف قائم رہی اس نے میری طبیعت پر کچھ اثر نہ ڈالا۔ میں یہ سمجھتا تھا کہ جب خدا تعالیٰ نے یہ پسند نہیں کیا کہ میں زمین پر سوؤں اور اپنی بات منوانے کے لئے اپنے نفس کو تکلیف میں ڈالوں تو وہ آئندہ بھی یہ کس طرح پسند کرے گا کہ مجھے کوئی تکلیف پہنچے۔ بہرحال ان وجوہات میں سے جن کی وجہ سے صحابہؓ عید منایا کرتے تھے ایک وجہ یہ بھی تھی کہ انہیں ان کا محبوب یعنی خدا تعالیٰ مل گیا تھا۔

عید منانے کی دوسری وجہ جو قرآن کریم سے معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ فردی ترقی کے علاوہ قومی ترقیات بھی اس قدر مل رہی ہوں کہ جدھر بھی قوم منہ کرے کامیابیاں اور کامرانیاں اس کے قدم چُومیں۔ صحابہؓ نے اتنی فتوحات حاصل کیں کہ جدھر بھی وہ منہ کرتے تھے فتح و نصرت ان کے ساتھ رہتی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا وہ جنّات ہیں جدھر بھی منہ کرتے ہیں دنیا کو مطیع بناتے چلے جاتے ہیں۔ پہلی چیز روحانی اور فردی تھی اور یہ مادی اور قومی تھی جس کی وجہ سے صحابہؓ عید منانے کے مستحق تھے۔ ۳۱ [illegible]

تیسری وجہ عید منانے کی یہ ہوتی تھی کہ قومی اخلاق اس قدر بلند ہوں کہ لوگ کسی پر ظلم نہ کریں اور ہر شخص یہ سمجھے کہ اس کے حقوق محفوظ ہیں۔ صحابہؓ اخلاقی لحاظ سے اتنے کمال پر تھے کہ اس زمانہ میں ہر شخص کے حقوق محفوظ تھے اور وہ کسی پر ظلم نہیں کرتے تھے لیکن آج کل ہم دیکھتے ہیں کہ ایک ایک پیسہ پر بازار میں جھگڑا ہو جاتا ہے۔ میں ایک دفعہ بمبئی گیا میرے ساتھ مستورات بھی تھیں انہوں نے کہا ہمارے علاقہ میں فلاں چیز نہیں ملتی وہ یہاں سے خرید لیں۔ میں ایک بہت بڑی دکان پر گیا اور دکاندار سے اس چیز کی قیمت دریافت کی۔ دُکاندار نے اس کا نرخ بتایا اور کہا ہمارے ہاں صرف ایک بات کی جاتی ہے بھاؤ کم نہیں ہو گا اور ساتھ ہی اس نے مجھ سے کہا ذرا ٹھہریئے وہ کسی اور شخص سے بات کر رہا تھا۔ دُکاندار اور خریدار

دونوں میں بحث شروع ہو گئی۔ ایک سو دس روپے کا بل تھا اور گاہک نوّے روپے دینا چاہتا تھا اور دوکاندار مانتا نہیں تھا۔ آخر اس شخص کے سیکرٹری نے سو روپے کا نوٹ دکاندار کے آگے رکھا اور اپنے ساتھی کو کہا چلئے سیٹھ صاحب اور وہ چلے گئے۔ میں نے دکاندار سے کہا کیوں صاحب کیا یہاں ایک ہی قیمت ہوتی ہے۔ اس نے جواب دیا آپ نے دیکھ ہی لیا ہے آدھ گھنٹہ اس نے میرا ضائع کیا اور آدھ گھنٹہ اپنا ضائع کیا۔ آپ جانتے ہیں یہ کون ہے؟ میں نے کہا نہیں میں تو اسے نہیں جانتا۔ اس نے کہا یہ شخص کپڑے کے کارخانوں کے ایک بہت بڑے گروپ کا مالک ہے اگر یہ اپنے کارخانہ میں بیٹھا ہوتا تو اتنی دیر میں دو لاکھ روپیہ کما لیتا لیکن اس کو جھگڑا کرنے کی عادت ہے۔ اس کے مقابلہ میں میں تو ایک غریب آدمی ہوں لیکن وہ اتنا امیر ہے کہ اس کی ماں چونکے پر جانے سے پہلے پانچسو روپیہ روزانہ دان ☆ ۱۴ کرتی ہے گویا وہ ماہوار ۱۵ ہزار روپے کا دان کرتی ہے لیکن باوجود اتنا امیر ہونے کے چند روپوں کے لئے وہ مجھ سے جھگڑتا رہا اور آدھ گھنٹہ میرا بھی ضائع کیا اور اپنا بھی اس میں میرا کیا قصور ہے۔ لیکن اس وقت صحابہؓ کی یہ حالت تھی کہ ایک صحابیؓ کے پاس ایک بدوی آیا اور اس نے فروخت کرنے کے لئے اپنا گھوڑا پیش کیا انہوں نے بدوی سے گھوڑے کی قیمت دریافت کی اس نے ایک ہزار دینار بتائی۔ اس صحابیؓ نے کہا میں گھوڑا تو خرید تا ہوں لیکن یہ قیمت ٹھیک نہیں یہ گھوڑا دو ہزار دینار کا ہے۔ وہ بدوی تو دیہات کی قیمت بتا رہا تھا اور اپنی جگہ پر ٹھیک بتا رہا تھا لیکن یہ صحابیؓ جانتے تھے کہ شہر میں آ کر کسی چیز کی قیمت کتنی بڑھ جاتی ہے لیکن بدوی ایک ہزار دینار سے زیادہ قیمت لینے پر راضی نہ تھا اور کہتا تھا میں حرام کیوں کھاؤں۔ اور وہ صحابیؓ دو ہزار دینار سے کم قیمت دینے پر راضی نہ تھے اور کہتے تھے میں حرام کیوں کھاؤں۔ ۱۵ جہاں یہ اخلاق ہوں وہاں دوسروں کے حقوق مارے ہی کس طرح جا سکتے ہیں۔ اگر کسی قوم کے اخلاق اس درجہ پر پہنچ جائیں تو اس میں مزدوروں وغیرہ کے جھگڑے کیوں ہوں اور ظلم کی آواز کیوں بلند ہو۔ بہرحال یہ تیسری وجہ ہے جس کی وجہ سے صحابہؓ عید منانے کے حق دار تھے اور ان کی حقیقی عید تھی۔ اس وقت کے ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کے لوگوں میں بھی یہ نظارے اس قدر نظر آتے ہیں کہ حیرت آتی ہے۔ یزید کتنا ظالم تھا اور اس کے بدکردار اور ظالم ہونے میں شبہ ہی کیا ہے لیکن اس کا بیٹا جس کو غلطی سے لوگ گالیاں دیتے ہیں اور جس کو یزید ابن یزید ۱۶ کہہ کر پکارتے ہیں ایک نہایت ہی نیک انسان تھا اور اس کا یہ حال تھا کہ جب اس کا باپ مر گیا اور وہ اس کی جگہ بادشاہ

بنایا گیا تو بیعت لینے سے پہلے اس نے لوگوں کو مسجد میں جمع کیا اور ان کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا بادشاہت تلوار کے زور سے ہمارے خاندان میں نہیں آئی بلکہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہمارے خاندان کو عطا ہوئی ہے اور یہ مسلمانوں کا حق ہے میرے باپ دادوں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا تھا جس کی وجہ سے وہ اس کے مستحق ہوتے۔ اس وقت ایسے لوگ موجود ہیں جن کے باپ میرے باپ سے اور وہ مجھ سے یقیناً اچھے ہیں اور ضروری ہے کہ یہ بادشاہت انہی کو ملے۔ میں اس بادشاہت کو لینے کے لئے تیار نہیں ہوں جس کو تم چاہو بادشاہ بنالو اور اتنی بات کہہ کر وہ گھر چلا گیا۔ جب اس کی ماں کو پتہ لگا کہ وہ بادشاہت کو چھوڑ کر آگیا ہے تو اس نے کہا کمبخت تُونے خاندان کی ناک کاٹ دی۔ اس نے اپنا سر جھکالیا اور کہا ماں آپ کو معلوم نہیں میں نے خاندان کی ناک کاٹی نہیں بلکہ آج اس کی ناک رکھ لی ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے کمرے میں چلا گیا اور اسی دکھ میں بیس دن کے بعد مر گیا۔[17]

یہ وہ شخص ہے جس کے حالات زندگی معلوم نہ ہونے کی وجہ سے مسلمان ان کی نیکی سے ناواقف ہیں۔ اسی طرح ایک اور مسلمان بادشاہ مالک ارسلان کے متعلق بھی ایک واقعہ مشہور ہے۔ گبن[18] جیسا متعصب عیسائی مؤرخ اپنی کتاب

Decline and Fall of the Roman Empir

میں لکھتا ہے کہ مالک[19] کے باپ کے فوت ہو جانے کے بعد سلطنت کے تین دعویدار کھڑے ہو گئے ان میں سے ایک تو خود مالک تھا' دوسرا اس کا چھوٹا بھائی اور تیسرا اس کا چچا تینوں میں لڑائیاں ہوئیں۔ گبن لکھتا ہے کہ ایک دن علامہ طوسی[20] نے جو مالک کے وزیر اعظم اور استاد بھی تھے کہا بادشاہ سلامت! چلئے ہم حضرت موسیٰ رضا کی قبر پر دعا کر آئیں۔ مالک راضی ہو گئے اور وہ دونوں موسیٰ رضا[21] کی قبر پر جا کر دعا مانگنے لگے۔ جب وہ دعا مانگ چکے تو مالک نے علامہ طوسی سے کہا آپ نے کیا دعا مانگی ہے؟ انہوں نے کہا میں نے تو یہ دعا مانگی ہے کہ اے خدا! تُو کل کی لڑائی میں میرے بادشاہ کو فتح نصیب کر اور اس کے دشمنوں کو ناکام کر۔ مالک نے کہا مگر میں نے تو یہ دعا نہیں مانگی۔ کیا تم بتا سکتے ہو کہ میں نے کیا دعا مانگی ہے۔ علامہ طوسی نے کہا۔ بادشاہ سلامت! آپ خود ہی بتا دیجئے میرا تو ذہن اس طرف نہیں جاتا۔ مالک نے کہا میں نے تو یہ دعا مانگی ہے کہ اے میرے خدا! یہ بادشاہت مسلمانوں کا حق ہے میرا ذاتی حق نہیں جو مجھے ورثہ میں مل سکے۔ میں انسان ہوں مستقبل کے حالات کا مجھے علم نہیں۔ میں یہ نہیں جانتا

کہ میری زندگی اسلام کے لئے مفید ہے یا نہیں یہ علم تجھ ہی کو ہے۔ ہو سکتا ہے کہ میری بادشاہت مسلمانوں کے لئے مضر ہو۔ اس لئے میں آج تجھے اس بزرگ کا واسطہ دے کر جو تجھے پیارا تھا یہ دعا کرتا ہوں کہ اگر میرا وجود اسلام اور تیری مخلوق کے لئے اچھا نہیں تو کل کی لڑائی میں تو مجھے فتح نہ دے بلکہ مجھے موت دے دے تاکہ حقدار کو اس کا حق مل جائے۔ گبن لکھتا ہے کہ ساری دنیا کی تاریخوں کو پڑھ جاؤ تم عیسائیت کے بزرگ ترین بادشاہوں پر نظر دوڑالو تمہیں اس اٹھارہ سالہ کافر بادشاہ جیسی کوئی ایک مثال بھی نہیں مل سکے گی۔ ۲۲؎ یہ چیز ان لوگوں کی عید کا موجب تھی۔ جس قوم میں ایسے افراد پائے جاتے ہوں جن کو خدا مل گیا ہو' جس قوم میں ایسے افراد پائے جاتے ہوں جنہوں نے نہ صرف انفرادی اور روحانی ترقیات حاصل کی ہوں بلکہ قومی ترقیات بھی حاصل کی ہوں اور جس طرف وہ منہ کرتے ہوں کامیابیاں اور فتوحات ان کے قدم چُومتی ہوں' جس قوم میں ایسے بلند اخلاق پائے جاتے ہوں کہ ان کے زمانہ میں کسی کو اپنا حق مارے جانے کا خیال بھی پیدا نہ ہو وہ قوم مستحق ہے حقیقی عید منانے کی' وہ قوم مستحق ہے حقیقی خوشیاں منانے کی۔ کیا دنیا میں اب بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں اس کا جواب یقیناً نفی میں ہو گا۔ محمد رسول اللہ ﷺ اس لئے عید مناتے تھے کہ آپؐ کا محبوب یعنی خدا تعالیٰ آپؐ کو مل گیا اور مسلمان اس لئے عید مناتے تھے کہ ان کے آقا کی جائیداد انہیں مل گئی اور اس کی حکومت دنیا میں قائم ہو گی لیکن سوال یہ ہے کہ آج ایک مسلمان کیوں عید مناتا ہے۔ کیا وہ اس لئے عید مناتا ہے کہ اس کے باپ دادا کی جائیداد ایک ایک کر کے اس کے ہاتھ سے نکل گئی؟ کیا وہ اس بات پر خوش ہوتا ہے کہ اس کی اپنی روحانی جائیداد ایک ایک کر کے اس کے ہاتھ سے نکل گئی' کیا وہ اس بات پر خوش ہوتا ہے کہ عدل و انصاف اس میں باقی نہیں رہا آخر وہ کونسی چیز ہے جس پر خوش ہو کر وہ عید مناتا ہے۔ کیا وہ نئے کپڑے بدلنے یا طرح طرح کے کھانے کھانے پر خوش ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عید پہلے زمانہ میں انعام تھی لیکن اب تازیانہ ہے اور ہر عید جو آتی ہے وہ ہم سے مطالبہ کرتی ہے کہ بولو تم عید کیوں منا رہے ہو۔ ہم بے شک ظاہر میں عید مناتے ہیں لیکن اس کے موجبات اور محرکات ہم میں موجود نہیں۔

ہر مسلمان موت کے بعد کی زندگی کا قائل ہے اور خواہ اس کا پورا یقین ہو یا نہ ہو وہ یہ سمجھتا ہے کہ ایک نہ ایک دن وہ خدا تعالیٰ کے سامنے پیش ہو گا اور وہاں رسول کریم ﷺ بھی

ہوں گے ۲۳؎ اسے سوچنا چاہئے کہ وہ آپؐ کی خدمت میں کونسا نذرانہ لے کر جائے گا اور کونسا تحفہ آپؐ کی خدمت میں پیش کرے گا۔ آپؐ اس سے سوال کریں گے کہ میری قوم کی کیا حالت تھی۔ تو کیا وہ یہ جواب دے گا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) اسے تو دین کا کوئی فکر ہی نہیں اور اگر وہ یہ جواب دے گا تو پھر آپؐ اس سے پوچھیں گے کہ تم نے اس کے لئے کیا کیا۔ اس پر کیا وہ یہ جواب دے گا کہ میں تو اپنے بیوی بچوں کی فکر میں پڑا رہتا تھا مجھے قوم کا کیا پتہ ہے۔ کیا اس کے اس جواب پر رسول کریم ﷺ کی روح خوش ہوگی اور کیا آپؐ کی نگاہ میں اس کی کوئی عزت ہوگی۔

دنیا میں ہر کام کا ایک درجہ ہوتا ہے۔ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں ایمان کے تین مدارج ہیں۔ اول بُرائی دیکھنے پر اس کی اگر طاقت ہو تو اس کے ذریعہ اصلاح کرنا۔ دوم اگر طاقت سے اصلاح نہیں ہو سکتی تو اس کے خلاف وعظ و نصیحت کرنا۔ سوم اگر اس میں اتنی جرأت بھی نہیں پائی جاتی کہ اس بُرائی کے خلاف وعظ و نصیحت کرے تو کم از کم دل میں ہی بُرا منانا۔ ۲۴؎ آخر ہر شخص کو یہ مقدرت نہیں ہو سکتی کہ لاکھوں آدمیوں کو سختی کے ذریعہ کسی بُرائی سے ہٹا سکے یا وعظ و نصیحت کر سکے لیکن اگر وہ دل میں بھی برا نہیں مناتا تو پھر اس کے ایمان کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ ایک بزرگ کہیں بیٹھے ہوئے تھے آپ نے دیکھا کہ بادشاہ کا ایک ملازم ہاتھ میں سارنگی لئے بجا رہا ہے۔ انہوں نے اس کی سارنگی چھین لی اور توڑ ڈالی۔ اس نے بادشاہ سے اس بزرگ کی شکایت کی اور کہا آج انہوں نے میری سارنگی توڑ ڈالی ہے کل کسی وزیر کی یا آپ کی وہ ہتک کرے گا۔ بادشاہ کو غصہ آیا اور اس نے اس بزرگ کو بلا بھیجا اور سارنگی پاس رکھ لی۔ وہ بزرگ دربار میں آئے۔ بادشاہ نے ان سے کچھ نہ کہا۔ سارنگی ہاتھ میں لی اور بجانے لگ گیا۔ وہ بزرگ سر ڈال کر بیٹھے رہے۔ بادشاہ نے کہا جب کل تم نے میرے ملازم کی سارنگی توڑ دی تھی تو اب کیوں نہیں توڑتے۔ اس بزرگ نے جواب دیا بادشاہ سلامت! رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر تم کوئی بُرائی دیکھو اور تمہیں مقدرت حاصل ہو تو اس کے ذریعے اصلاح کی کوشش کرو اور اگر اس کی جرأت نہ کر سکو تو زبان سے روکنے کی کوشش کرو اور اگر اتنی بھی جرات نہ ہو تو کم از کم دل میں برا مناؤ۔ بادشاہ سلامت! کل میں سختی کے ساتھ ایک برائی کی اصلاح کر سکتا تھا سو میں نے اس ملازم کی سارنگی توڑ دی لیکن آج نہ میں اتنی طاقت رکھتا ہوں کہ اس برائی کی اس کے ذریعے اصلاح کروں اور نہ اس کے خلاف

وعظ و نصیحت کرنے کی جرأت کر سکتا ہوں لیکن بادشاہ سلامت! مین دل میں اسے برا منا رہا ہوں۔ غرض ہر فعل کا ایک درجہ ہوتا ہے لیکن کم از کم آخری درجہ تو انسان کو حاصل ہونا چاہئے۔ میں نے ایک امریکن شاعرہ کے شعر پڑھے ہیں اس نے اپنے شعروں میں ایک نہایت ہی لطیف مضمون بیان کیا ہے۔ وہ کہتی ہے مرنے کے بعد جب میں خدا تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوں گی تو امیر لوگ اپنے لعل و جواہر جو انہوں نے صدقہ کئے ہوں گے خدا تعالیٰ کے حضور پیش کریں گے اور جن لوگوں نے قومی خدمت کی ہو گئی وہ اپنی اس خدمت کو اس کے حضور پیش کریں گے اور کہیں گے کہ ہم نے یہ کیا۔ اس وقت میں پاس کھڑی ہوئی حسرت سے دیکھ رہی ہوں گی نہ میرے پاس دولت تھی جو صدقہ کے طور پر دیتی اور نہ طاقت اور علم تھا کہ اس کے ساتھ ملک و قوم کی خدمت کرتی لیکن میں نے خدا تعالیٰ کی محبت میں آنسو بہائے ہوں گے اور وہ اس کے تخت کے پاس پڑے ہوں گے اور میں وہی آنسوؤں کا تحفہ اس کے حضور پیش کروں گی اور اے مخاطب! تو جانتا ہے کہ وہ کس کے تحفہ کو قبول کرے گا۔ وہ میرے ہی آنسوؤں کو قبول کرے گا۔ [۲۵] اسی طرح اگر ایک مسلمان پہلی دو باتوں میں سے کچھ بھی نہیں کر سکتا تو کم از کم وہ خدا تعالیٰ کے آستانہ پر گر کر آنسو تو بہا سکتا ہے۔ اگر مسلمان یہ کام کر سکتے ہیں تو ان کی عید عید ہے ورنہ ان کی عید کوئی عید نہیں۔ آج تبلیغ کا میدان خالی ہے وہ اگر چاہیں تو تبلیغ کے ذریعہ اسلام کی خدمت کر سکتے ہیں۔ آخر ہمارے نوجوان بھی تبلیغ کے لئے باہر جاتے ہیں وہ بھی جا سکتے ہیں۔ بعض جگہوں پر ہمارے نوجوانوں نے جو کام کیا ہے اسے دیکھ کر لطف آتا ہے۔ میرے ایک عزیز جو کرنل ہیں سنگاپور میں تھے۔ ہم نے سنگاپور میں اپنا مبلّغ بھیجا اور اسے کہا جاؤ جس طرح بھی ہو سکے تبلیغ اسلام کرو۔ وہ کہیں تبلیغ کر رہا تھا کہ کسی نے اسے مارا وہ زخمی ہوا اور اتنا زخمی ہوا کہ کچھ دنوں کے بعد اس کے زخموں میں کیڑے پڑ گئے۔ [۲۶] میرے اس عزیز نے بتایا کہ میں اسے اپنے پاس لے گیا اور زخموں کا علاج کر کے واپس کیا۔ میں نے اس سے کہا تم یہاں کیوں آئے ہو اور اس قسم کے علاقہ میں تمہارا کیا کام ہے۔ تو اس نے جواب دیا اگر ہم تبلیغ نہیں کریں گے تو یہ ہو گی کس طرح۔ بہر حال کام کرنے والے کام کرتے ہیں۔ اگر مسلمانوں کے اندر یہی تبلیغ کا جوش پیدا ہو جائے' اگر ان کے اندر قربانی کا صحیح جذبہ پیدا ہو جائے اور اگر دوسرے لوگوں کے سامنے اسلام کی تعلیم کو صحیح طور پر پیش کریں' رسول کریم ﷺ اور صحابہؓ کی قربانیوں کو لوگوں کے سامنے لائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ دنیا کا معتدبہ حصہ

اسلام میں داخل نہ ہو جائے اور جو لوگ یہ کام نہیں کر سکتے وہ مالی قربانیاں کریں اور اگر یہ بھی نہیں کر سکتے تو کم از کم راتوں کو Wilcox کے [۲] کی طرح رو تو چھوڑا کریں کہ اے اللہ! میں کمزور ہوں نہ تیری راہ میں تکلیف اٹھا سکتا ہوں اور نہ مالی قربانیاں پیش کر سکتا ہوں۔ مجھ میں تو طاقت نہیں تجھ میں سب طاقتیں پائی جاتی ہیں تُو ہی اسلام کو فتح دے' تُو ہی اسلام کو وہ غلبہ عطا کر جو اسے پہلے حاصل تھا۔ اگر وہ خدا تعالیٰ کے آستانہ پر گر کر چند آنسو بھی نہیں بہا سکتے تو ان کی عید بالکل بے معنی عید ہے۔ درحقیقت آج کل کی عید ایک تازیانہ بن کر آتی ہے اور ہم سے کہتی ہے بولو تم کس چیز کی بناء پر عید منا رہے ہو۔ ہم ایک طرف اس بات کے دعویدار ہیں کہ رسول کریم ﷺ ہمارے سردار ہیں اور دوسری طرف ہم آپ کی سرداری کو چھنتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ ہر جگہ آپؐ کا دین مظلوم ہے مگر بے فکر بیٹھے ہوتے ہیں۔ پھر ہم کس چیز کی عید منا رہے ہیں۔ یہ ایک سوال ہے جو ہم میں سے ہر ایک کو اپنے نفس سے پوچھنا چاہئے۔ اگر واقعہ میں ہم میں جانی اور مالی قربانی کی روح پائی جاتی ہے' اگر ہم خدا تعالیٰ کے سامنے رو رو کر اس کی مدد طلب کرتے ہیں تو واقعی ہماری عید عید ہے اور ہم اللہ تعالیٰ اور رسول کریم ﷺ کے سامنے آنکھ اُٹھانے کے قابل ہیں' ورنہ ہماری عید کچھ بھی نہیں بلکہ ہر عید ہمیں پہلے سے بھی زیادہ مُردہ بنا دے گی۔

(الفضل ۸۔ اپریل ۵۹ء)

---

[۱] سنن ابی داوٗد باب اذا وافق یوم الجمعة یوم عید

[۲] الفجر: ۲۸۔۳۱

[۳] نیند اس کی ہے' دماغ اس کا ہے راتیں اس کی ہیں تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں (دیوان غالب صفحہ ۱۰۰ مطبوعہ مکتبہ جدید لاہور ۱۹۶۰ء)

[۴] حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی زیرِ ادارت انجمن تشحیذ الاذہان کی طرف سے شائع کیا جانے والا سہ ماہی مجلّہ۔ اجراء یکم مارچ ۱۹۰۶ء۔ مارچ ۱۹۲۲ء میں ریویو آف ریلیجنز اردو میں مدغم کر دیا گیا۔

[۵] تذکرہ مطبوعہ الشرکۃ الاسلامیہ صفحہ ۷۴۲

[۶] صحیح مسلم باب فضائل ابی بکرؓ۔ صحیح بخاری کتاب الهجرة باب هجرة النبی صلی الله علیه وسلم واصحابه الی المدینة۔ صحیح بخاری کتاب التفسیر باب

ثانی اثنین اذ هما فی الغار......الخ صحیح بخاری کتاب **المناقب باب مناقب ابی بکرؓ۔ التوبۃ:۴۰**

۷ؔ مولوی کرم دین آف بھین ضلع جہلم کی طرف سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف اکتوبر ۱۹۰۲ء میں مضامین شائع کئے گئے۔ اسی سال کے آخر میں اس نے حضرت اقدس کے خلاف ازالہ حیثیتِ عُرفی کا دعویٰ جہلم میں دائر کیا۔ جس کی سماعت ۱۷۔ جنوری ۱۹۰۳ء کو ہوئی اس مقدمہ میں حضور باعزت بری قرار دیئے گئے۔ (الحکم ۷۔ فروری‘ ۳۱۔ مئی ۱۹۰۳ء۔ تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۸۰۔۲۷۱)

۸ؔ خواجہ کمال الدین صاحب ۱۸۷۰ء۔ ۱۹۳۲ء۔ بیعت ۱۸۹۳ء۔ خلافتِ ثانیہ کے انتخاب کے موقع پر غیر مبائعین کا ساتھ دیا۔

۹ؔ اس مقدمہ کے بعد کرم دین کی طرف سے ایک اور مقدمہ حضور علیہ السلام پر دائر کیا گیا جس کی سماعت گورداسپور میں ہوئی یہ واقعہ اس دوسرے مقدمہ کے ایام کا ہے۔ (البدر ۳۔ جولائی ۱۹۰۳ء۔ سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۹۳۔۹۸)

۱۰ؔ حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۱۶ طبع اول نشان نمبر ۲۸۔ تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۳۰۸ تا صفحہ ۳۱۱

۱۱ؔ الحکم ۱۰۔ جولائی ۱۹۰۴ء

۱۲ؔ حقیقۃ الوحی (طبع اول) صفحہ ۱۲۱۔۱۲۲

۱۳ؔ تاریخ احمدیت جلد ۳ صفحہ ۲۹۹۔۳۰۰

۱۴ؔ **المائدۃ:۱۵۔** ملفوظات جلد ۸ صفحہ ۲۷۲۔ جلد ۶ صفحہ ۲۸۰۔ ۴۱۴۔ ۴۱۵

☆۱۴ؔ دان: زکوٰۃ۔ صدقہ و خیرات۔ بخشش۔ جہیز

۱۵ؔ

۱۶ؔ یزید ابن یزید۔ بنو امیہ ۔۶۸۳ء تاریخ کامل لابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۵۵

۱۷ؔ تاریخ کامل لابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۵۵

۱۸ؔ گبن ۱۷۳۷ء۔ ۱۷۹۴ء

۱۹ؔ ا ح ۱۰۷۲ء

۲۰ؔ ش ۱۰۹۲ء نظام الملک طوسی

۲۱ؔ شیعہ اصحاب کے ساتویں امام جن کا مزار بغداد میں ہے۔ ۱۲۸ھ/۷۴۵ء۔

۱۸۳ھ / ۷۹۹ء

۲۲ EDWARD GIBBON: Decline and Fall of the Roman Empire VOL:111 pp; 178-79

۲۳ البقرۃ :۵' تفسیر درمنثور ۲۷/۱۔ صحیح مسلم کتاب القیامۃ باب احلال الرضوان علی اھل الجنۃ صحیح مسلم کتاب القیامۃ باب رویۃ النبی ﷺ - صحیح بخاری کتاب التوحید باب وجوہٌ یومئذ ناضرۃ ...... الخ

۲۴ صحیح مسلم کتاب الایمان باب کون النھی عن المنکر من الایمان۔

۲۵ Mrs.E.W.Wilcox ۱۸۵۵ء - ۱۹۱۹ء

۲۶ یہاں مکرم محترم مولانا غلام حسین صاحب ایاز (۱۹۵۹ء) پر قاتلانہ حملہ کا ذکر ہے۔ حضور نے اپنے جن عزیز کا ذکر فرمایا ہے۔ وہ حضور کے برادر نسبتی ڈاکٹر کرنل تقی الدین احمد صاحب ابن حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب ہیں۔ مکرم کرنل تقی الدین احمد صاحب لکھتے ہیں:۔

"یہ ۱۹۳۹ء کے اواخر یا شروع ۱۹۴۰ء کا واقعہ ہے۔ جب میں فوج کے ساتھ سنگاپور سٹاف آفیسر تھا۔...... میں ان کی طرف نماز جمعہ کے لئے گیا تھا۔ جب لوگ ان کے خلاف بہت تھے میں یونیفارم میں اور غالباً ملٹری جیپ میں تھا۔ میرے آنے سے لوگ خوفزدہ ہو کر چلے گئے اور آئندہ کے لئے بھی میں نے ان کو دھمکایا اور مبلّغ صاحب کے خاطر خواہ علاج کا انتظام کیا اور اس کے بعد باقاعدگی سے جمعہ کے لئے جانا ہوا۔ اور بعض دوسرے احباب بھی آنے لگے اور مبلّغ صاحب کے لئے امن ہو گیا اور اس کے بعد کسی نے ان پر ہاتھ اٹھانے کی جرأت نہ کی۔" (مکتوب بنام مرتب محررہ ۱۷۔ مئی ۱۹۷۰ء)

۲۷ دیکھیں حوالہ نمبر ۲۵